ایران، اسرائیل جنگ

کے دوران پیدا ہونے والے ابہامات و مغالطوں کا جائزہ

مرتبہ: سید جہانزیب عابدی

حرفِ اول

اس کتاب میں ایران اور اسرائیل کے درمیان جاری حالیہ تنازعے کے تناظر میں پیدا ہونے والے مختلف فکری و نظری ابہامات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ان ابہامات کا سامنا نہ صرف عوامی سطح پر ہوا بلکہ خواص میں بھی مختلف زاویوں سے سوالات اٹھائے گئے، خصوصاً اہلِ سنت، لبرل حلقوں اور خود شیعہ مکتبِ فکر سے وابستہ افراد کی جانب سے۔

یہ سوالات بعض اوقات حسنِ نیت پر مبنی تھے اور بعض مواقع پر مغالطہ انگیزی یا منفی پروپیگنڈہ کا حصہ، مگر ہر حال میں ان کا جواب دینا ضروری سمجھا گیا تاکہ حقیقت کی وضاحت ہو اور افہام و تفہیم کا دروازہ کھلا رہے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف مواقع پر ان سوالات کے جو جوابات دیے گئے، انہیں مرتب کر کے یکجا صورت میں اس کتاب میں پیش کیا جا رہا ہے۔

یہ مجموعہ فقط ایک دفاعی تحریر نہیں بلکہ ایک فکری دعوت ہے؛ جس کا مقصد قارئین کو اس جنگ کے پسِ منظر، محرکات، اور نظریاتی بنیادوں کا شعور دینا ہے تاکہ وہ سادہ تجزیوں یا سطحی نعروں کے بجائے گہرائی سے مسئلے کو سمجھ سکیں۔ ہمیں امید ہے کہ یہ کوشش اربابِ فہم و انصاف کے لیے مفید ثابت ہو گی۔

فہرست

حساس دماغوں کا قتل:

سوال: ایران کے حساس ترین دماغ، جو ملکی دفاعی ٹیکنالوجی، نیوکلئیر ریسرچ اور میزائل پروگرام سے وابستہ ہوتے ہیں، وہ کس طرح دشمن کی پہنچ میں آ جاتے ہیں؟

یہ سوال کہ ایران جیسے ملک کے وہ حساس ترین سائنسدان، جو نیوکلئیر ریسرچ، دفاعی ٹیکنالوجی اور میزائل پروگرام جیسے انتہائی خفیہ اور اہم شعبوں سے وابستہ ہوتے ہیں، آخر کس طرح دشمن کے نشانے پر آ جاتے ہیں — درحقیقت ایک ایساسوال ہے جو سادہ نظر آتا ہے مگر اس کے اندر داخلی، بین الاقوامی، معلوماتی اور انسانی سطحوں پر گہری پیچیدگیاں چھپی ہوئی ہیں۔

سب سے پہلی اور بنیادی سطح پر ہمیں یہ سمجھنا ہو گا کہ ایران چونکہ NPT (Non-Proliferation Treaty) کا دستخط کنندہ ہے اور IAEA یعنی انٹرنیشنل اٹامک انرجی ایجنسی کے ساتھ جوہری سرگرمیوں کے حوالے سے مخصوص شفافیت برقرار رکھنا اس پر بین الاقوامی دباؤ کے تحت لازم ہے، اس لیے کئی اہم تنصیبات، شخصیات، اور تحقیقی سرگرمیوں کی عمومی معلومات

IAEA کے ریکارڈ میں آجاتی ہیں۔ یہ بات اب ثابت شدہ ہے کہ IAEA کے اندر بعض ایسے افراد یا نیٹ ورک موجود ہیں جو اسرائیلی موساد یا مغربی انٹیلیجنس ایجنسیوں کو معلومات فراہم کرتے ہیں، اور اسی ذریعہ سے سائنسدانوں کی شناخت، لوکیشن، فون نمبرز، اور دیگر حساس معلومات دشمن کے ہاتھ لگ جاتی ہیں۔

جب دشمن کے پاس مکمل معلومات موجود ہوں، تو پھر ان افراد کی نگرانی، نقل و حرکت کی ٹریکنگ، اور ان کے تحفظ میں دراڑ ڈالنا کوئی ناقابلِ تصور عمل نہیں رہتا۔ تاہم سارا الزام ادارہ جاتی نااہلی پر ڈال دینا بھی قرینِ انصاف نہیں، کیونکہ ایرانی بیوروکریسی اور انٹیلیجنس ادارے بالعموم اپنے ملک اور نظام کے وفادار ہیں۔ مگر مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب دشمن انسانی نفسیات کو نشانہ بناتا ہے۔ ہر شخص نہ زاہدِ شب زندہ دار ہوتا ہے، نہ ہر افسر امام خمینی کی سطح کا صاحبِ تقویٰ۔ انسان کی کمزوری، خواہ وہ مال کی لالچ ہو، یورپ میں سیٹل ہونے کی خواہش ہو، یا جنسی جال میں پھنسانا ہو، دشمن انہی کمزوریوں کو ہدف بناتا ہے اور اندر سے رخنہ پیدا کرتا ہے۔ بہت سے افراد کو کبھی احساس ہی

نہیں ہوتا کہ وہ آہستہ آہستہ کسی بڑے جاسوسی منصوبے کا ایک خاموش حصہ بن رہے ہیں۔

موساد کا ایک بڑا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ کام کو بہت چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ یوں بعض لوگ محض ایک چھوٹا سا تکنیکی یا لاجسٹک کام کرتے ہیں، مگر انہیں بتایا ہی نہیں جاتا کہ وہ کس بڑے ہدف کے لیے استعمال ہو رہے ہیں۔ انہیں کبھی آخری ہدف، یا کارروائی کے انجام تک رسائی نہیں دی جاتی، اور یوں وہ بلاواسطہ کسی بڑے قتل یا تخریب کاری کا حصہ بن جاتے ہیں۔

دوسری طرف ایرانی معاشرے کی عمومی سیکیورٹی نفسیات بھی اس تناظر میں اہم ہے۔ ایران عمومی طور پر ایک نسبتاً محفوظ ملک ہے جہاں اسلحے کی کھلی نمائش نہیں کی جاتی، بڑے آفیسرز اور حتیٰ کہ بعض آیات اللہ کی سیکیورٹی پر بھی صرف دو محافظ متعین ہوتے ہیں، جو بعض اوقات صرف پسٹل کے حامل ہوتے ہیں۔ اس کا مقصد معاشرے میں خوف نہ پھیلانا، معمول کی فضا کو برقرار رکھنا، اور عوامی اعتماد کو مجروح نہ کرنا ہوتا ہے۔ مگر یہی چیز بعض اوقات دشمن کو فائدہ دیتی ہے کیونکہ حساس افراد کی نقل و حرکت نسبتاً آزاد

اور کھلی رہتی ہے، اور جب دشمن کے پاس معلومات پہلے سے موجود ہوں، تو ایک عام گاڑی، موٹر سائیکل، یاڈرون کے ذریعے کارروائی انجام دیناکچھ مشکل نہیں رہتا۔

اگرچہ ایران نے حالیہ برسوں میں کئی بار ان حملوں کا بھرپور جواب دیا ہے، جن میں فوجی کارروائیاں، سائبر حملے، اور موساد نیٹ ورکس کی گرفتاری شامل ہیں، مگر مسئلے کا دیرپا حل صرف جوابی حملہ نہیں بلکہ مکمل دفاعی ثقافت کی تعمیر ہے۔ اس کا مطلب صرف انفارمیشن سیکیورٹی نہیں بلکہ سوسائٹی کی اس اجتماعی شعور کی تربیت ہے جس میں سائنسدان، محقق، اور سٹریٹیجک افراد صرف ادارہ جاتی طور پر نہیں بلکہ معاشرتی طور پر بھی محفوظ ہوں۔ یہ صرف ایک فرد کی حفاظت نہیں، بلکہ قوم کے مستقبل، تحقیقاتی سرمائے اور دفاعی خودمختاری کی حفاظت ہے۔

مختصر یہ کہ ایران جیسے ملک میں جہاں دشمن انتہائی منظم، وسائل سے بھرپور اور نظریاتی طور پر خطرناک ہو، وہاں ہر حملہ ایک بڑا پیغام دیتا ہے کہ دشمن صرف گولی سے نہیں، ذہن، معلومات اور کمزوریوں کے راستے حملہ کرتا ہے۔

اور اس کا مقابلہ صرف میزائلوں یا نعرے بازی سے نہیں بلکہ مؤثر سیکیورٹی، نظریاتی وحدت، داخلی تطہیر، اور بین الاقوامی اداروں کے کردار کی بے نقاب کاری سے ممکن ہے۔ جب تک قوم خود کو اندر سے پاک اور بیدار نہ کرے، باہر سے آنے والا ہر وار اندر سے ہی راہ پائے گا۔

مسلکی متعصبین

(مسلکی متعصبین سے متعلق چند ضروری باتیں)

ایران سے مسلکی تعصب رکھنے والے بعض پاکستانیوں اور دیگر عرب ریاستوں کے حامیوں کو جب ایران اور اسرائیل کے مابین تناؤ بڑھتا ہوا نظر آتا ہے تو وہ ایران کو ایک دشمن ریاست کے طور پر پیش کرتے ہیں اور اس کے خلاف بے بنیاد الزامات لگاتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو ایران پر بھارت نوازی، سنی دشمنی، پاکستانی سالمیت کو نقصان پہنچانے جیسے دعوے کرتے ہیں، لیکن ان کے اپنے دعووں میں نہ کوئی تحقیق ہوتی ہے، نہ ہی زمینی حقیقتوں سے کوئی تعلق۔ ان کا طرزِ فکر فرقہ وارانہ نفرت، مسلکی تنگ نظری اور سامراجی بیانیے کی پیروی سے تشکیل پایا ہے، نہ کہ عقل، دیانت یا اسلام کے اصولوں سے۔ ایسے افراد اور گروہ جب ایران پر تنقید کرتے ہیں تو دراصل وہ اپنی ہی ریاستوں کی ناکامیوں اور مجرمانہ غفلتوں پر پردہ ڈال رہے ہوتے ہیں۔

ان سے ایک سادہ سوال پوچھا جائے کہ پاکستان یا دیگر سنی اکثریتی ریاستوں نے اپنی عوام، خصوصاً غریب اور پسے ہوئے طبقات کے لیے کیا خدمات انجام دی ہیں؟ کیا پاکستان کی ریاستی مشینری نے اپنی اکثریتی سنی عوام کو تعلیم، صحت، روزگار، انصاف، تحفظ، اور ترقی کے وہ مواقع دیے جن کا دعویٰ اسلامی اصول کرتے ہیں؟ کیا پاکستان نے اپنے پچاس فیصد سے زائد خط غربت سے نیچے زندگی گزارنے والے شہریوں کے لیے کوئی دیرپا فلاحی پروگرام شروع کیا ہے؟ کیا پاکستان میں عام شہری کو پینے کا صاف پانی، سستی دوا، عزتِ نفس کے ساتھ روزگار، اور ریاستی اداروں میں غیر جانبداری کے ساتھ انصاف مہیا ہوا ہے؟ سچ یہ ہے کہ پاکستان جیسے سنی اکثریتی ملک میں حکومتیں عوام کے درد سے زیادہ، امریکہ، سعودی عرب، اور مغربی مالیاتی اداروں کے مفادات کے ساتھ وفادار رہی ہیں۔

ایران کو فرقہ وارانہ چشمے سے دیکھنے والے اگر انصاف کی عینک سے اس کی اندرونی پالیسیاں دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ ایرانی حکومت نے اپنے عوام کی فلاح و بہبود کے لیے وہ اقدامات کیے ہیں جن کا دنیا بھر میں اعتراف ہوتا ہے۔ تعلیمی میدان میں ایران نے شرح خواندگی کو ۹۰ فیصد سے زائد تک پہنچایا،

سائنس اور ٹیکنالوجی میں اسلامی دنیا کی قیادت کی، اور صحت کے شعبے میں نہ صرف خود کفالت حاصل کی بلکہ دیگر مسلم ممالک کو بھی مدد فراہم کی۔ ایرانی عوام کو بجلی، پانی، گیس، تعلیم، دوا، اور بنیادی ضروریات نہ صرف سستی بلکہ منصفانہ نظام کے تحت مہیا کی جاتی ہیں۔ ایران کی کئی جامعات دنیا کی بہترین جامعات میں شامل ہوتی جا رہی ہیں، اور ایرانی طلباء بیرونِ ملک علم حاصل کرنے کے بجائے اب اپنے ہی ملک میں عالمی معیار کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

یہ ایران ہی تھا جس نے پاکستان کو 1965 اور 1971 کی جنگوں میں عملی امداد فراہم کی۔ یہی ایران تھا جو بھارت کے مقابلے میں ہمیشہ کشمیر کے مظلوم عوام کی حمایت میں بولا۔ یہی ایران آج بھی پاکستان کو سستے تیل، بجلی اور گیس کی پیشکش کرتا ہے، جسے پاکستانی حکومتیں امریکہ اور خلیجی ریاستوں کے دباؤ میں آکر قبول نہیں کرتیں۔ ایران نہ صرف اقتصادی لحاظ سے پاکستان کے لیے مواقع پیدا کرنا چاہتا ہے بلکہ ایران کی سٹریٹیجک سوچ ہمیشہ اس خطے کے لیے امن، خود مختاری، اور سامراج سے آزادی پر مرکوز رہی ہے۔ پاکستان کی حکومتیں اگر دیانت داری سے ایران کے ساتھ تعاون کو فروغ دیتیں تو آج

بلوچستان، کراچی، اور گلگت بلتستان میں بدامنی کی جڑیں کاٹنے میں بھی مدد مل سکتی تھی۔

بالمقابل سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور دیگر عرب ریاستوں کی پالیسیاں محض سرمایہ کاری، جائیدادوں، اور مہنگی کاروں کی خرید و فروخت تک محدود رہیں۔ ان ریاستوں نے پاکستان کو قرضوں کے جال میں جکڑا، سستی لیبر کے طور پر پاکستانی عوام کا استحصال کیا، اور کبھی کوئی ایسا تعلیمی، صنعتی یا سائنسی منصوبہ پاکستان کے ساتھ شریک نہیں کیا جس سے پاکستانی قوم خود کفیل ہو سکتی۔ ان عرب حکومتوں نے پاکستان میں سنی اکثریت کی فلاح کے لیے کوئی مؤثر، دیرپا اور انقلابی منصوبہ پیش نہیں کیا۔ ان کا تمام زور صرف حکومتوں کے ساتھ تعلقات رکھنے، مدارس کو خاص مسلکی رنگ دینے، اور مقامی فرقہ واریت کو ہوا دینے پر رہا۔

اگر آج پاکستان ایران سے بجلی، گیس اور تیل لیتا تو بلوچستان اور جنوبی پنجاب جیسے پسماندہ علاقوں میں ایک نئی زندگی کی شروعات ممکن تھی۔ ایران نے اس پیشکش کے پیچھے نہ کوئی خفیہ ایجنڈا چھپایا، نہ کوئی عسکری بنیاد، بلکہ محض

برادرانہ اور جغرافیائی ہمسائیگی کا ناطہ تھا۔ بدقسمتی سے پاکستانی حکمران طبقہ ہمیشہ مغربی مفادات، آئی ایم ایف کی پالیسیوں اور امریکی تحفظات کو ترجیح دیتا رہا، یہاں تک کہ ایران جیسے مخلص ہمسائے کو بھی شکوک کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایران نے عملی میدان میں وہ کچھ کر دکھایا جس کا دعویٰ سنی اکثریتی ریاستیں صرف تقریروں اور بیانات میں کرتی ہیں۔

یہ ضروری ہے کہ پاکستان کے عوام خود سوچیں کہ ان کے مسائل کا حل فرقہ وارانہ فضا کو بڑھا کر نہیں بلکہ اخلاص، دیانت اور باہمی تعاون کے ذریعے ہی نکل سکتا ہے۔ ایران کو گالی دے کر ہم اپنے بدحال عوام کے لیے کوئی اسکول، ہسپتال یا روزگار نہیں پیدا کر سکتے۔ اگر ایران نے اپنی عوام کو بین الاقوامی پابندیوں اور دشمنیوں کے باوجود عزت، ترقی، علم اور انصاف دیا ہے تو ہمیں سیکھنے کے لیے اس کے تجربے کا جائزہ لینا چاہیے، نہ کہ تعصب کی عینک لگا کر دشمنی کا محاذ کھول دینا چاہیے۔

فرقہ پرستی، قومی تعصب، اور سامراجی مفادات سے آزاد ہو کر جب ہم حقیقت کو دیکھیں گے تو ہمیں اندازہ ہو گا کہ ایران کی دشمنی صرف اسرائیل

اور استعمار سے ہے، مسلمانوں سے نہیں۔ ایران کی پالیسیوں پر تنقید ضرور کریں، مگر سچائی، عدل اور تحقیق کے ساتھ۔ اگر ہم واقعی امت مسلمہ کی بہتری چاہتے ہیں تو ہمیں ایران اور پاکستان جیسے ممالک کے درمیان فکری، معاشی اور سٹریٹیجک اتحاد کو فروغ دینا ہو گا، نہ کہ اسے مسلک کی بنیاد پر توڑ کر اپنے دشمنوں کا ایجنڈا مکمل کرنا ہو گا۔ یہی شعور، یہی اخلاص اور یہی سچائی ہمیں آگے لے جا سکتی ہے۔

پاکستان سے متعلق مغالطہ آمیز سوال

(ایک فیس بک پوسٹ پر جواب)

ایک پوسٹ جس میں تاریخ کو یک طرفہ انداز میں مسخ کر کے پیش کیا گیا ہے، جس سے فرقہ وارانہ کشیدگی اور ایران دشمنی کو ہوا دی گئی ہے۔ ذیل میں انہی نکات کی بنیاد پر تحقیقی اور عقلی انداز میں وضاحت پیش کی جارہی ہے تاکہ حقیقت اور پروپیگنڈہ الگ ہو سکے:

1. 1965 کی جنگ

ایران نے نہ صرف پاکستان کی حمایت کی بلکہ تہران ایئرپورٹ کو پاکستانی طیاروں کے لیے استعمال کی اجازت دی۔ ایران کے شہنشاہ رضاشاہ پہلوی نے بھارت کے خلاف واضح حمایت میں بیانات دیے اور پاکستان کو تیل اور لاجسٹک مدد فراہم کی۔ ایران پہلا غیر عرب ملک تھا جس نے پاکستان کی کھلم کھلا حمایت کی، سعودی عرب نے

بھی مالی امداد دی، مگر اس وقت متحدہ عرب امارات وجود میں ہی نہیں آیا تھا۔

2. 1971 کی جنگ

ایران نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی مخالفت کی، بنگلہ دیش کو فوری طور پر تسلیم نہیں کیا، اور بھارت کے خلاف پاکستان کی حمایت میں اقوام متحدہ میں آواز اٹھائی۔ بھارتی ایجنسی راء کے سربراہ اجیت دوول کی باتوں کو سیاق و سباق سے ہٹا کر بیان کرنا علمی بد دیانتی ہے۔ ایران کا کوئی ثبوت شدہ کردار پاکستان کے خلاف اس جنگ میں موجود نہیں۔

3. خمینی انقلاب اور فرقہ واریت

ایران میں 1979 کا انقلاب سامراج کے خلاف تھا۔ پاکستان میں فرقہ واریت دراصل ضیاء دور میں امریکہ و سعودی عرب کی سرپرستی میں افغان جہاد کے نام پر شروع ہوئی، جس میں ایران کو ردِ عمل میں دفاعی پالیسی اپنانا پڑی۔ سپاہ صحابہ، لشکر جھنگوی جیسے

قاتل گروہوں کا قیام پاکستان میں اسی دور میں ہوا اور یہ ریاستی سرپرستی میں کام کرتے رہے۔ ایران پر یک طرفہ الزام اصل مجرموں کو چھپانے کے مترادف ہے۔

4. سلیپر سیلز اور زائرین

یہ الزام پروپیگنڈہ پر مبنی ہے۔ ایران سے آنے والے زائرین کی سیکیورٹی پاکستانی ایجنسیوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے، اور اگر کسی کے خلاف ثبوت موجود ہوں تو پاکستانی عدالتیں اور ادارے موجود ہیں۔ ایران کے ساتھ 80 لاکھ سے زائد زائرین کے روابط کے باوجود کوئی عالمی سطح پر ثابت شدہ نیٹ ورک آج تک سامنے نہیں آیا۔

5. 2002 کا معاہدہ

ایران اور بھارت کے درمیان متعدد تجارتی اور توانائی منصوبے ضرور ہیں، مگر "بھارت ایران کی سرزمین استعمال کرے گا" جیسا معاہدہ ایک فرضی مفروضہ ہے، اس کی نہ کوئی سرکاری دستاویز

موجود ہے اور نہ ہی کوئی سفارتی ریکارڈ۔ ایران نے ہمیشہ کہا ہے کہ وہ کسی ملک کے خلاف اپنی سرزمین استعمال نہیں ہونے دے گا۔

6. چاہ بہار بندرگاہ

چاہ بہار دراصل بھارت، افغانستان اور ایران کے مابین ایک اقتصادی راہداری ہے تاکہ افغانستان کی تجارت سمندری راستے سے ہو سکے۔ یہ گوادر کی مسابقت نہیں بلکہ تکمیل ہے۔ چین نے بھی اس منصوبے پر اعتراض نہیں کیا، بلکہ یہ علاقائی معاشی تعاون کی مثال کے طور پر اقوام متحدہ میں پیش کی جاتی ہے۔

7. پروکسی جنگ اور کلبھوشن

کلبھوشن یادیو کا ایران میں موجود ہونا خود ایک سوالیہ نشان ہے کہ ایک بھارتی جاسوس جو پاکستان کے اندر کارروائیوں میں ملوث تھا، وہ ایران کے راستے پاکستان میں کیسے آیا؟ اس کی موجودگی اس بات کا ثبوت نہیں کہ ایران نے اسے پناہ دی، بلکہ یہ ممکن ہے کہ ایران کی ریاستی مشینری کو بھی اس کی نقل و حرکت کا علم نہ ہو، جیسا کہ

اکثر ایسے شورش زدہ علاقوں میں ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ ایران نے پاکستان کے ساتھ کئی سطحوں پر دہشتگردی اور سرحدی معاملات پر تعاون کیاہے اور کلبھوشن کے معاملے پر بھی ایران کی حکومت نے سرکاری طور پرلاعلمی ظاہر کی تھی۔

8. عزیر بلوچ و ٹارگٹ کلرز

عزیر بلوچ کے خلاف JIT رپورٹ میں کہیں بھی ایران سے براہِ راست تعلق ثابت نہیں کیا گیا۔ یہ الزامات عمومی سوشل میڈیا افواہوں پر مبنی ہیں جنہیں عدالتوں میں کبھی قابلِ سماعت ثبوت کے طور پر پیش نہیں کیا گیا۔

9. ایرانی حملہ

پاکستان پر ایران کا حالیہ حملہ ناقابل قبول تھا، اور پاکستان نے بروقت جواب دیا۔ لیکن ایران نے اس سے قبل کئی بار دہشتگرد تنظیموں جیش العدل اور بی ایل اے کے بارے میں پاکستان سے باقاعدہ شکایات کی تھیں۔ پاکستان کی جانب سے اسٹریٹجک برداشت

کو سراہا جانا چاہیے، مگر یہ بھی سمجھنا ضروری ہے کہ دونوں ممالک کی سرحد پر دہشتگرد نیٹ ورکس سرگرم ہیں اور ان کا خاتمہ باہمی تعاون سے ہی ممکن ہے۔

10. سعودی عرب و ایران

سعودی ولی عہد کا دورہ قابلِ تحسین ہے، مگر یہ الزام کہ ایران سعودی سرمایہ کاری سے "جلتا ہے" ایک بچگانہ دعویٰ ہے۔ ایران نے حالیہ برسوں میں سعودی عرب کے ساتھ تعلقات بحال کیے، سفارتخانے کھولے اور کشیدگی کم کی ہے، جس کی تصدیق چین، عراق اور عمان جیسے ثالث ملک بھی کرتے ہیں۔ ایران کی اصل دشمنی اسرائیل اور سامراج سے ہے، نہ کہ سعودی عرب یا پاکستان سے۔

11. بھارتی اتحاد و سازش

یہ کہنا کہ ایران بھارت اور اسرائیل کے ساتھ مل کر پاکستان پر حملے کی سازش کر رہا ہے، نہایت خطرناک الزام ہے۔ اس کا کوئی بھی

معتبر ثبوت آج تک سامنے نہیں آیا۔ ایران نے ہمیشہ کشمیر کے مسئلے پر بھارت کی مخالفت کی ہے اور فلسطینی مزاحمت کی کھل کر حمایت کی ہے۔ اگر ایران واقعی اسرائیل کے ساتھ ملتا، تو حماس، حزب اللہ اور اسلامی جہاد کو اسلحہ اور ٹیکنالوجی فراہم نہ کر رہا ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ یہ پوسٹ دشمنوں کی لکھی ہوئی پروپیگنڈا تھیوریوں کا چربہ ہے، جس کا مقصد پاکستان و ایران کے تعلقات کو خراب کرنا، شیعہ سنی تقسیم کو گہرا کرنا، اور امتِ مسلمہ کو داخلی طور پر کمزور کرنا ہے۔ ہمیں ہوش مندی، عقل، تحقیق اور اصولی موقف کے ساتھ ان فتنوں کا جواب دینا ہوگا نہ کہ احساساتی و فرقہ وارانہ جوش میں آ کر اپنے ہی اتحادیوں کو دشمن بنانا۔ ایران اور پاکستان کی دوستی محض جغرافیہ یا مسلک نہیں بلکہ تاریخ، نظریہ اور دشمن کی مشترکہ شناخت پر مبنی ہے۔

یہ تحریر کئی سچائیوں اور خالص جذبات سے لبریز ضرور ہے، مگر اس میں کئی ایسی تہیں بھی موجود ہیں جو نادانستہ طور پر اسی مسئلے کو مزید پیچیدہ اور زہریلا بنا سکتی ہیں جسے ختم کرنے کا دعویٰ کیا جا رہا ہے۔ سب سے پہلے تو یہ بات سمجھنی چاہیے کہ اہل تشیع کا کوئی مقدس "کلٹ" نہیں ہوتا بلکہ وہ بھی اسی دین اسلام

کے ماننے والے ہیں جس میں ظالم کے خلاف قیام اور مظلوم کی حمایت اصل ایمان کی علامت ہے۔ ایران کی حمایت ہر شیعہ کی جانب سے صرف "مسلک" کی بنیاد پر نہیں ہوتی بلکہ اکثر اہل فکر اسے ایک انقلابی اور سامراج دشمن ریاست کے طور پر دیکھتے ہیں۔ اسی طرح ایران پر تنقید کرنے والا ہر شخص بھی دشمنِ اہل بیت نہیں ہوتا، اگر وہ عدل و انصاف کے ساتھ بات کرے۔

آذربائجان اور آرمینیا کا حوالہ دینا ایک سیاسی مسئلے کو مسلکی رنگ دینے کے مترادف ہے کیونکہ آذربائجان سیکولر ریاست ہے جو سوویت یونین کے دور سے روسی اثرات میں پل کر بڑی ہوئی ہے اور اپنے مفادات کی بنیاد پر فیصلے کرتی ہے نہ کہ مذہبی شعور کی بنیاد پر۔ اس پر ایران نے کئی بار تنقید بھی کی ہے، اور آرمینیا کے ساتھ ان کے تعلقات کو بھی چیلنج کیا ہے۔ اسی طرح اگر اہل تشیع فیس بک یا واٹس ایپ پر کسی ظلم پر احتجاج کرتے ہیں اور ان کے خلاف پابندی لگتی ہے تو یہ ان کا حق چھینا جا رہا ہوتا ہے، اور اسے بھی ایک جیسے سچ اور جھوٹ کے معیار سے پرکھنا چاہیے۔

سورہ آل عمران کی آیت جس میں "اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے" کا حکم ہے، وہ ہمیں دعوت دیتی ہے کہ ہم عقیدے کے نام پر تفرقے میں نہ پڑیں۔ لیکن تفرقہ صرف اس وقت ختم ہوتا ہے جب ظلم کی نشاندہی انصاف کے ساتھ ہو، کسی مسلک یا قوم کو اجتماعی طور پر مجرم یا کلٹ کہنا خود اللہ کی اس آیت کے خلاف ہے۔ اگر کوئی سنی یا شیعہ فرد ظلم کرتا ہے تو وہ اپنی ذات میں مجرم ہے، نہ کہ اس کا مسلک۔ فرقہ واریت صرف اس وقت جنم لیتی ہے جب ظلم کی بنیاد پر اجتماعی الزام تراشی شروع کی جائے۔

"شیعہ سنی کیڑا"، "کلٹ"، اور "آئی سی یو کی حالت" جیسے الفاظ نفرت کو ختم کرنے کے بجائے اسے اور ہوا دیتے ہیں۔ اگر واقعی دل سے یہ خواہش ہے کہ مسلمان متحد ہوں اور یہود و نصاریٰ کی سازشیں ناکام ہوں، تو ہمیں زبان، لہجہ اور دل دونوں کو پاک کرنا ہوگا۔ ہمیں یہ سیکھنا ہوگا کہ اختلافِ رائے ایک نعمت ہے، لیکن اس اختلاف کو گالی، طعنہ اور حقارت میں تبدیل کرنا شیطان کی چال ہے۔

اصل دشمن وہ ہے جو مسلمانوں کو تقسیم کر کے کمزور کرتا ہے۔ وہ کبھی "سیکولرزم" کے نام پر آتا ہے، کبھی "مذہبی تعصب" کے پردے میں۔ ہمیں

ان دونوں سے بچنا ہے۔ ظلم چاہے ایران کرے، سعودیہ کرے یا اسرائیل، اسے ظلم کہنا ہے، لیکن زبان، نیت اور دلیل میں توازن رکھ کر۔ اتحاد صرف اس وقت ممکن ہے جب سچ اور عدل کو کسی مسلک یا قوم کی عینک سے نہیں بلکہ دینِ محمدی کی روشنی میں دیکھا جائے۔

لہٰذا شیعہ سنی کو کیڑے کہنے کے بجائے اپنے دل کو وسیع کریں، اہل تشیع کو دشمن نہ بنائیں، اور اگر کوئی واقعی مسلک کے نام پر فساد پھیلا رہا ہو تو اسے دلیل اور اخلاق کے ساتھ روکیں، نہ کہ تحقیر اور طنز سے۔ یہی وہ روش ہے جو آل عمران کی آیت کا عملی تقاضا ہے، اور یہی وہ بصیرت ہے جو امت مسلمہ کو فتنہ پروری سے بچا سکتی ہے۔

ایران سے جلنے والے تکفیری

(ایران سے جلنے والے پاکستانی حاسد: ایک فکری و تاریخی تجزیہ)

جب حق و باطل کی پہچان مسلک، قوم یا جغرافیہ کی عینک سے کی جائے تو تاریخ مسخ، عقل محدود، اور امت تقسیم ہو جاتی ہے۔ آج ہم اسی المیے کا شکار ہیں۔ ایران، جو کہ نہ صرف اسلامی دنیا کی ایک اہم ریاست ہے بلکہ سامراج کے خلاف واحد مستقل مزاحمتی قوت بھی ہے، اسے پاکستانی سوشل میڈیا اور سیاسی فضا میں بد نیتی سے مسلکی نفرت، قوم پرستی اور سطحی پروپیگنڈہ کے ذریعے ہدفِ تنقید بنایا جاتا ہے۔ ایران پر بے بنیاد الزامات اور تاریخی سچائیوں کو مسخ کر کے پیش کرنا درحقیقت پاکستان کی خارجہ پالیسی اور امت مسلمہ کی وحدت، دونوں کے لیے زہر قاتل ہے۔ اس مضمون میں ہم ان پروپیگنڈہ نکات کا تجزیہ عقلی، تاریخی اور تحقیقی بنیادوں پر کریں گے۔

1965 کی جنگ: ایران نے پہل کی تھی، پیچھے نہیں ہٹا تھا

ایران ان چند غیر عرب ممالک میں شامل تھا جنہوں نے 1965 کی جنگ میں کھل کر پاکستان کا ساتھ دیا۔ ایرانی شہنشاہ رضا شاہ پہلوی نے بھارت کی جارحیت کے خلاف پاکستان کی حمایت میں بیانات دیے، تیل فراہم کیا، اور تہران ایئرپورٹ پاکستانی طیاروں کو استعمال کرنے کی اجازت دی۔ یہ وہ وقت تھا جب عرب دنیا بھی تقسیم کا شکار تھی، اور متحدہ عرب امارات جیسا کوئی ملک وجود میں نہیں آیا تھا۔ ایسے میں ایران کا عملی کردار نہ صرف دوستی بلکہ برادرانہ اخوت کا مظہر تھا۔

1971 کی جنگ: ایران نے بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے میں تاخیر کی

مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے وقت بھی ایران نے پاکستان کے ساتھ وفاداری کا ثبوت دیا۔ نہ صرف ایران نے فوری طور پر بنگلہ دیش کو تسلیم نہیں کیا بلکہ اقوام متحدہ میں بھارت کی مذمت کی اور پاکستان کی حمایت میں آواز بلند کی۔ اگرچہ بعض افراد بھارتی خفیہ ادارے 'راء' کے سابق سربراہ اجیت دوول کے

بیانات کو توڑ مروڑ کر ایران کے خلاف استعمال کرتے ہیں، مگر یہ علمی و اخلاقی بد دیانتی ہے کیونکہ ان بیانات میں ایران کے کردار کی کوئی ٹھوس شہادت موجود نہیں۔

فرقہ واریت کا فتنہ: اصل جراثیم کہاں سے آئے؟

1979 کے ایرانی انقلاب کو فرقہ واریت سے جوڑنے والے دراصل یا تو تاریخ سے نابلد ہیں یا بدنیت۔ ایران کا انقلاب سامراج، اسرائیل اور آمریت کے خلاف تھا، نہ کہ کسی مسلک یا فرقے کے خلاف۔ پاکستان میں فرقہ واریت کا آغاز درحقیقت جنرل ضیاء کے دور میں ہوا، جب امریکہ اور سعودی عرب کی سرپرستی میں "جہادِ افغانستان" کے نام پر مخصوص مسلک کی عسکری و سیاسی تقویت کی گئی۔ سپاہ صحابہ، لشکر جھنگوی جیسے گروہوں کی تشکیل، اور ریاستی سرپرستی میں اہل تشیع کے خلاف منافرت، حقیقتاً اسی خارجی پالیسی کا تسلسل تھا۔ ایران نے تو محض ردِ عمل میں دفاعی پالیسی اپنائی۔

سلیپر سیلز اور زائرین: الزام یا افسانہ؟

یہ دعویٰ کہ ایرانی زائرین یا سلیپر سیلز پاکستان میں دہشتگردی پھیلاتے ہیں، نہ صرف غیر ثابت شدہ ہے بلکہ پاکستان کی ریاستی سیکیورٹی اداروں پر بھی بداعتمادی کا اظہار ہے۔ اگر واقعی ایسے نیٹ ورکس موجود ہوتے تو عدالتیں، فوج اور حساس ادارے خاموش نہ رہتے۔ آج تک لاکھوں زائرین ایران سے پاکستان آئے مگر کوئی عالمی سطح پر تسلیم شدہ جاسوسی نیٹ ورک سامنے نہیں آیا۔ اس قسم کے الزامات دراصل فرقہ وارانہ نفرت کو ہوا دینے کی چالیں ہیں۔

ایران–بھارت معاہدات: اقتصادیات اور جغرافیہ کا تقاضا

2002 کے ایران–بھارت تجارتی معاہدے کو اس انداز میں پیش کیا جاتا ہے جیسے ایران نے گویا پاکستان کے خلاف بھارت کو سہولت دی۔ حقیقت یہ ہے کہ ایران کی چاہ بہار بندرگاہ دراصل ایک اقتصادی راہداری ہے جو افغانستان

کو سمندری راستہ فراہم کرتی ہے۔ اس کا مقصد گوادر کی مخالفت نہیں بلکہ خطے میں تجارت کے نئے دروازے کھولنا ہے۔ چین، جو پاکستان کا قریبی اتحادی ہے، اس منصوبے پر اعتراض نہیں کرتا بلکہ اسے تکمیلی سمجھتا ہے۔

ایران اور بھارت کے درمیان متعدد تجارتی اور توانائی منصوبے ضرور ہیں، مگر "بھارت ایران کی سرزمین استعمال کرے گا" جیسا معاہدہ ایک فرضی مفروضہ ہے، اس کی نہ کوئی سرکاری دستاویز موجود ہے اور نہ ہی کوئی سفارتی ریکارڈ۔ ایران نے ہمیشہ کہا ہے کہ وہ کسی ملک کے خلاف اپنی سرزمین استعمال نہیں ہونے دے گا۔

کلبھوشن، عزیر بلوچ، اور پروکسی الزامات: ثبوت کہاں ہیں؟

کلبھوشن یادیو کا ایران میں موجود ہونا خود ایک سوالیہ نشان ہے کہ ایک بھارتی جاسوس جو پاکستان کے اندر کارروائیوں میں ملوث تھا، وہ ایران کے راستے پاکستان میں کیسے آیا؟ اس کی موجودگی اس بات کا ثبوت نہیں کہ ایران نے اسے پناہ دی، بلکہ یہ ممکن ہے کہ ایران کی ریاستی مشینری کو بھی اس کی نقل و

حرکت کا علم نہ ہو، جیسا کہ اکثر ایسے شورش زدہ علاقوں میں ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ ایران نے پاکستان کے ساتھ کئی سطحوں پر دہشتگردی اور سرحدی معاملات پر تعاون کیا ہے اور کلبھوشن کے معاملے پر بھی ایران کی حکومت نے سرکاری طور پر لاعلمی ظاہر کی تھی۔ اسی طرح عزیر بلوچ کے خلاف JIT رپورٹ میں کہیں بھی ایران سے براہِ راست تعلق ثابت نہیں کیا گیا۔ یہ الزامات عمومی سوشل میڈیا افواہوں پر مبنی ہیں جنہیں عدالتوں میں کبھی قابلِ سماعت ثبوت کے طور پر پیش نہیں کیا گیا۔

ایرانی حملہ اور جوابی اقدام: توازن کی ضرورت

حال ہی میں ایرانی حملہ یقیناً قابلِ مذمت تھا اور پاکستان نے اس کا بروقت جواب دیا۔ لیکن اس سے پہلے ایران کئی بار دہشتگرد تنظیموں کے حوالے سے باقاعدہ احتجاج ریکارڈ کرا چکا تھا۔ جیش العدل، بی ایل اے، اور دیگر گروہ دونوں ممالک کی سلامتی کے لیے خطرہ ہیں اور ان کا حل باہمی حکمتِ عملی اور خفیہ معلومات کے تبادلے میں ہے، نہ کہ میڈیا پر جنگی شور و غبار میں۔

سعودی عرب و ایران: رقابت سے رجعت کی طرف

ایران اور سعودی عرب کی حالیہ مفاہمت اس بات کا ثبوت ہے کہ مسلم دنیا اب اپنے اندرونی اختلافات کو ختم کر کے بیرونی چیلنجز پر توجہ دینا چاہتی ہے۔ چین، عراق اور عمان جیسے ثالثوں نے یہ تعلق بحال کرایا۔ لہٰذا یہ کہنا کہ ایران سعودی ترقی سے جلتا ہے، نہایت سطحی اور غیر سنجیدہ الزام ہے۔ ایران کی اصل دشمنی اسرائیل اور سامراج سے ہے، نہ کہ سعودی عرب یا پاکستان سے۔

بھارتی اتحاد، ایران و اسرائیل: سازش یا وسوسہ؟

یہ الزام کہ ایران اسرائیل اور بھارت کے ساتھ مل کر پاکستان کے خلاف سازش کر رہا ہے، نہایت سنگین ہے اور کسی ثبوت کے بغیر لگایا جانا ایک دشمنی کو ہوا دینے کے مترادف ہے۔ ایران نے ہمیشہ فلسطینی مزاحمت کی حمایت کی، اسرائیل کو غاصب قرار دیا، اور حماس، حزب اللہ و دیگر مزاحمتی تحریکوں کو

عملی امداد دی ہے۔ اگر ایران واقعی اسرائیل کا اتحادی ہوتا، تو وہ ان تحریکوں کی سرپرستی کیوں کرتا؟

دشمنوں کی لکھی ہوئی تھیوری کو دہرا کر دوستوں کو دشمن نہ بنائیں:

ایران سے دشمنی پر مبنی بیانیہ دراصل وہی زبان ہے جو عالمی سامراج، اسرائیل، اور ان کے مقامی مہرے استعمال کرتے ہیں تاکہ امتِ مسلمہ کو داخلی طور پر تقسیم کرکے کمزور کیا جائے۔ ہمیں ہر بات کو تحقیق، دلیل اور اعتدال کی روشنی میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ شیعہ سنی کا فتنہ خود استعمار کا بویا ہوا بیج ہے، جسے ہم اپنی جہالت سے سینچ رہے ہیں۔ ہمیں "اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے" کے قرآنی حکم پر عمل کرنا ہوگا اور ان سازشوں کا شعوری مقابلہ کرنا ہوگا۔

اگر ہم واقعی امت کے خیر خواہ ہیں، تو ہمیں دشمن کی لکھی ہوئی کہانی کو دہرانا بند کر کے اپنے عقلی، ایمانی اور تاریخی شعور کو بیدار کرنا ہو گا۔ یہی حقیقی بیداری ہے، یہی وفاداری ہے۔

ایران، اسرائیل جنگ اور پاکستان کی مدد

پاکستان کی حکومت کی ایران اور اسرائیل کے درمیان ممکنہ جنگ میں ایران کی مدد کرنے کی صلاحیت اور آمادگی ایک پیچیدہ اور کئی جہتی سوال ہے، جسے صرف جذبات یا اخباری بیانات کی روشنی میں نہیں سمجھا جاسکتا۔ یہ مسئلہ داخلی سیاسی حالات، عسکری توازن، خارجہ پالیسی، عالمی دباؤ، معاشی حالت، اور پاکستان کے خطے میں اسٹریٹیجک مقاصد جیسے عناصر سے گہرائی سے جڑا ہوا ہے۔

اگر ایران اور اسرائیل کے درمیان براہِ راست جنگ چھڑتی ہے، تو پاکستان کی حکومت فوری طور پر کھل کر ایران کی عسکری مدد کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوگی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ پاکستان کی خارجہ پالیسی میں توازن کا وہ اصول ہے جس کے تحت پاکستان سعودی عرب، امریکہ، چین، ترکی، اور ایران جیسے مختلف اور بعض اوقات باہم متضاد ممالک کے ساتھ بیک وقت تعلقات کو سنبھالنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایران کی کھلی عسکری حمایت کرنے کا مطلب سعودی عرب، امریکہ اور مغربی بلاک کے ساتھ ممکنہ تصادم ہوگا، جو کہ

پاکستان کی موجودہ اقتصادی حالت اور سیاسی غیر استحکام کو دیکھتے ہوئے انتہائی مہنگا سودا ہوگا۔

پاکستان کی حکومت کی جانب سے ایران کے اسرائیل مخالف بیانیے کی عمومی تائید اکثر علامتی اور بیاناتی سطح پر محدود رہتی ہے۔ جب ایران پر حملہ ہو یا اسرائیل کے مظالم میں شدت آئے، تو پاکستان کی حکومت کی جانب سے عمومی طور پر ایک روایتی سا بیان جاری کیا جاتا ہے جس میں "امت مسلمہ کے اتحاد"، "فلسطینی عوام کے حقوق" اور "مشرق وسطیٰ میں امن" کی بات کی جاتی ہے۔ ان بیانات میں ایران کی واضح اور مخصوص حمایت نہیں کی جاتی، بلکہ زبان ایسی اختیار کی جاتی ہے کہ سعودی عرب اور امریکہ جیسے ممالک کو ناراض نہ کیا جائے۔ بعض مواقع پر پاکستانی دفتر خارجہ کے بیانات اس قدر مبہم ہوتے ہیں کہ یہ طے کرنا مشکل ہوتا ہے کہ وہ ایران کے بیانیے سے ہم آہنگ ہیں یا نہیں۔

اگر عوامی اور مذہبی سطح پر دیکھا جائے تو پاکستان کی عام شیعہ آبادی اور بعض مذہبی جماعتیں جیسے تحریک بیداری، مجلس وحدت المسلمین، اور اہل تشیع کے دیگر حلقے ایران کی اسرائیل مخالف پوزیشن کے حامی ہوتے ہیں اور فلسطین کی

حمایت میں بھی سرگرم ہوتے ہیں۔ البتہ حکومتی ادارے ان جذبات کی نمائندگی کرنے میں ہچکچاتے ہیں تاکہ ملکی و بین الاقوامی سطح پر توازن برقرار رہے۔ جب کبھی ایرانی جنرل قاسم سلیمانی جیسے افراد کو شہید کیا گیا، تب بھی پاکستان کی حکومت نے محتاط اور غیر جانب دارانہ موقف اختیار کیا، حالانکہ عوامی سطح پر شدید غم و غصہ دیکھا گیا۔

پاکستان کی فوجی اور خفیہ پالیسی کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو کسی بھی مشرق وسطیٰ کی جنگ میں براہ راست جھونکنے سے گریز کرتی ہے۔ پاکستان کی اسٹیبلشمنٹ یہ سمجھتی ہے کہ اگر وہ ایران کے ساتھ کھل کر کھڑی ہوتی ہے تو اس کے نتیجے میں پاکستان کو سفارتی اور معاشی محاذوں پر دباؤ کا سامنا ہو گا، خاص طور پر ان ملکوں سے جو اسرائیل کے اتحادی ہیں۔ حتیٰ کہ پاکستان نے اسرائیل کو تسلیم نہ کرنے کی پالیسی تو اپنائی ہوئی ہے، مگر کئی بار "بیک چینل ڈپلومیسی" اور اسرائیل کے ساتھ غیر رسمی رابطوں کی خبریں بھی منظر عام پر آتی رہی ہیں۔

پاکستان کی جانب سے ایران کی اسرائیل کے خلاف ممکنہ جنگ میں حمایت کے امکانات کو جب معاشی تناظر میں دیکھا جائے تو تصویر مزید واضح اور حقیقت

پسندانہ ہو جاتی ہے۔ پاکستان اس وقت شدید معاشی بحران کا شکار ہے، جس میں زرمبادلہ کے ذخائر کی کمی، آئی ایم ایف کے قرضوں پر انحصار، درآمدات وبرآمدات کا غیر متوازن توازن، اور سیاسی غیر یقینی صورتِ حال جیسے عناصر شامل ہیں۔ ان حالات میں کسی بین الاقوامی تنازع، خاص طور پر ایک ایسی جنگ جو اسرائیل جیسے امریکہ نواز ریاست کے خلاف ہو، میں عملی شمولیت یا مدد ایک غیر معمولی معاشی خودکشی کے مترادف ہوگی۔

پاکستان کا معیشتی ڈھانچہ اس وقت سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، چین، اور مغربی مالیاتی اداروں جیسے آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی مدد پر قائم ہے۔ اگر پاکستان کھل کر ایران کی عسکری مدد کرے، تو سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات جیسے ممالک کے ساتھ مالیاتی تعلقات شدید متاثر ہوں گے، خاص طور پر remittances ، تیل کی رعایتی فراہمی، اور بیل آؤٹ پیکجز کے حوالے سے۔ ان عرب ممالک نے کئی بار پاکستان پر یہ واضح کر دیا ہے کہ ایران کے ساتھ بڑھتی ہوئی قربت ان کے مفادات سے متصادم ہے۔ پاکستان اگر ان ممالک کی ناراضی مول لیتا ہے تو فوری طور پر معاشی امداد رک سکتی ہے، جو معیشت کے لیے تباہ کن ہو گا۔

اسی طرح امریکہ اور مغربی دنیا جن پر پاکستان کی بر آمدات، بین الاقوامی ترسیلات زر اور قرضوں کی ری شیڈولنگ کا بڑا دار و مدار ہے، ایران کے ساتھ کھلی حمایت کو ایک سخت پیغام کے طور پر لیں گے۔ اس کے نتیجے میں پاکستان کو FATF کی گرے یا بلیک لسٹ میں دوبارہ دھکیلنے، مالیاتی پابندیوں اور تجارتی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ ان پابندیوں کا مطلب بین الاقوامی ادائیگیوں، قرضوں کے سود، درآمدی ضروریات، اور ڈالر کی دستیابی کے میدان میں مزید پیچیدگیاں ہوں گی، جو پہلے سے خستہ حال معیشت کو زمین بوس کر سکتی ہیں۔

پاکستان کے اندر معاشی ڈھانچہ ایک بڑے تجارتی خسارے کا شکار ہے، اور صنعتی پیداواری صلاحیت بھی بجلی، ایندھن اور خام مال کی درآمد پر منحصر ہے۔ جنگی تعاون یا ایران کے لیے دفاعی و لاجسٹک سپورٹ کی فراہمی ان وسائل کی مزید قلت پیدا کرے گی، جبکہ مہنگائی، بیروزگاری اور غربت میں اضافہ ہو گا۔ پاکستانی عوام کی اکثریت جو پہلے ہی معاشی دباؤ میں ہے، ایران کی حمایت کے نتیجے میں پیدا ہونے والے اقتصادی بحران کو قبول نہیں کرے گی، بلکہ اس پر ردعمل آئے گا جس سے داخلی سیاسی عدم استحکام میں اضافہ ہو گا۔

پاکستانی سرمایہ کار، تاجر، اور کاروباری طبقہ بھی کسی ایسی پالیسی کو قبول نہیں کرے گا جو ملک کو بین الاقوامی تجارتی اور مالیاتی نظام سے کاٹ دے۔ ملک میں سرمایہ کاری کا ماحول انتہائی نازک ہے، اور ایران جیسے عالمی پابندیوں کے شکار ملک کے ساتھ عسکری اتحاد کی صورت میں پاکستان بھی انہی پابندیوں کی زد میں آسکتا ہے، جس کا مطلب ہو گا کہ کوئی غیر ملکی سرمایہ کاری، بینکنگ چینل یا کاروباری اعتماد باقی نہیں رہے گا۔

لہٰذا معاشی زاویے سے دیکھا جائے تو پاکستان کے لیے ایران کی کھلی اور عملی حمایت کرنا ایک ایسا بوجھ ہو گا جسے اس کی کمزور معیشت اٹھا ہی نہیں سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کی حکومت صرف علامتی حمایت، روایتی بیانات اور "امت مسلمہ "کے اتحاد جیسے مبہم الفاظ پر اکتفا کرتی ہے تاکہ عوامی جذبات کی تسکین بھی ہو جائے اور بین الاقوامی نظام کی ناراضگی بھی مول نہ لی جائے۔ اس توازن کی پالیسی درحقیقت معاشی مجبوریوں کا نتیجہ ہے، نہ کہ خالص سفارتی حکمت عملی۔

خلاصہ یہ کہ پاکستان کی حکومت ایران کی اسرائیل مخالف جنگ میں کھلے عام عسکری مدد کرنے کی نہ تو پوزیشن میں ہے، نہ ارادہ رکھتی ہے، اور نہ ہی موجودہ

عالمی اسٹریٹیجک ماحول میں اس کی کوئی گنجائش ہے۔ سرکاری بیانات اکثر علامتی ہوتے ہیں، جن کا مقصد عوامی جذبات کو وقتی طور پر مطمئن کرنا اور بین الاقوامی برادری کے سامنے توازن برقرار رکھنا ہوتا ہے۔ ایران کے لیے حقیقی حمایت یا عملی مدد پاکستان کی پالیسی میں فی الوقت موجود نہیں، اور اس کے امکانات بھی تبھی پیدا ہو سکتے ہیں جب پاکستان کی خارجہ پالیسی میں بنیادی نوعیت کی تبدیلی آئے، جو کہ موجودہ عالمی نظام میں نہایت مشکل ہے۔

عرب وترکی کا کردار

(ایران اسرائیل جنگ عرب وترکی کا کردار۔ فلسطین وتشیع کی نگاہ سے)

فلسطینی مزاحمتی تحریکوں اور سیاسی تشیع کے نظریاتی زاویے سے اگر ایران و اسرائیل کی ممکنہ جنگ میں سعودی عرب اور دیگر عرب ریاستوں کے کردار کا تجزیہ کیا جائے تو یہ ایک ایسی تصویر پیش کرتا ہے جس میں جذباتی بے وفائی، نظریاتی غداری اور استعماری طاقتوں کی خدمت نمایاں نظر آتی ہے۔ فلسطینیوں کی نگاہ میں سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، مصر، اردن اور ان جیسے ممالک عرصہ دراز سے فلسطین کے مسئلے کو ایک علاقائی پریشانی یا سفارتی دردسر سے زیادہ حیثیت دینے پر آمادہ نہیں ہوئے، جبکہ فلسطینی عوام نے نصف صدی سے زیادہ عرصے سے نہ صرف اسرائیلی جبر کا سامنا کیا بلکہ مسلسل اپنے خون، گھروں اور نسلوں کی قربانی دے کر امت مسلمہ کے ضمیر کو جگانے کی کوشش کی۔ لیکن افسوس کے ساتھ ان کی جدوجہد کو اکثر ان عرب حکومتوں نے بے فائدہ، غیر عملی یا دہشتگردی قرار دے کر ایک ایسی بین الاقوامی زبان اپنائی جو صریحاً اسرائیل اور اس کے حامی مغربی ممالک کی ترجمانی کرتی ہے۔

سیاسی تشیع کی نگاہ میں، جس کی بنیاد عدل، مزاحمت، اور مستضعفین کی حمایت پر ہے، یہ عرب حکومتیں نہ صرف استعماری پٹھو ہیں بلکہ ان کے خاموش یا نیم فعال رویے کو "خذلانِ امت" یعنی امت کو اکیلا چھوڑ دینا قرار دیا جاتا ہے۔ تشیع کی سیاسی تعبیر، خصوصاً امام حسینؑ کے کردار کو ایک دائمی تمثیل کے طور پر لیتی ہے، جہاں یزیدی طاقتیں صرف تلوار سے نہیں بلکہ خاموشی، مفاہمت اور سازباز سے ظلم کو مضبوط کرتی ہیں۔ اسی تعبیر کے مطابق سعودی عرب جیسی حکومتیں اُس خاموش اکثریت کی نمائندگی کرتی ہیں جو کربلا میں ابن زیاد کی بیعت تو نہیں کرتی مگر حسینؑ کو تنہا چھوڑ دیتی ہے۔ فلسطینیوں کے نزدیک بھی یہی المیہ ہے کہ اسرائیل کی وحشیانہ کارروائیوں کے وقت یہ عرب حکومتیں یا تو صرف مذمت کے چند الفاظ تک محدود رہتی ہیں یا پھر اسرائیل کو براہ راست یا بالواسطہ سہولت فراہم کرتی ہیں۔

فلسطینی مزاحمتی بیانیہ، خاص طور پر حماس، اسلامی جہاد اور دیگر گروہوں کے اندر ایران کے ساتھ وابستگی اس وجہ سے ہے کہ ایران نے واحد ریاست کے طور پر ان کی کھلی، مادی، عسکری اور نظریاتی حمایت کی ہے۔ یہ حمایت نہ فقط علامتی یا بیانیاتی ہے بلکہ عملی میدان میں راکٹوں کی تیاری سے لے کر انٹیلیجنس، تربیت، اور سفارتی مدد تک پہنچتی ہے۔ جب کہ دوسری طرف

سعودی عرب جیسے ممالک نے ان مزاحمتی گروہوں کو اکثر اخوانی، انتہاپسند یا غیر ریاستی عناصر قرار دے کر ان کی پشت پر چھرا گھونپا۔ یہی رویہ عرب لیگ اور تنظیمِ اسلامی کانفرنس میں بھی نظر آتا ہے، جہاں فلسطین کے مسئلے کو صرف ایک قرارداد یا اقوامِ متحدہ کے کاغذی حل تک محدود رکھا گیا، جبکہ زمینی سطح پر نہ تو کوئی فوجی، سیاسی یا اقتصادی دباؤ اسرائیل پر ڈالا گیا، نہ ہی ان ممالک نے فلسطینی مزاحمت کو "قانونی دفاعی حق" کے طور پر تسلیم کیا۔

سیاسی تشیع کی نگاہ میں یہ سب کچھ اس بڑے منصوبے کا حصہ ہے جس میں اسلام کے انقلابی، بیدارکن اور ظلم شکن چہرے کو عرب بادشاہتوں اور مغرب نواز آمریتوں نے ایک معذرت خواہ، "معتدل" اور استعماری نظام کے تابع اسلام میں بدل دیا ہے۔ وہ تشیع جو مستضعفین کے حق میں آواز بلند کرتا ہے، وہ سعودی اسلام کو ایک "استکباری اسلام" کے طور پر دیکھتا ہے جس نے امریکہ، اسرائیل اور مغرب کی خوشنودی کے لیے اسلام کو فقط عبادات، رسوم اور اخلاقی ہدایات میں محدود کر دیا ہے۔ چنانچہ جب ایران اسرائیل کے خلاف کھڑا ہوتا ہے تو سیاسی تشیع کے نزدیک وہ فقط ایک ریاست نہیں بلکہ امت کی اجتماعی عزت، مزاحمت اور نجات کی علامت بن جاتا ہے، اور اس

کے مقابل عرب حکومتیں ظلم کی خاموش حمایت، غاصبوں کی سرپرستی، اور قبلۂ اول کی توہین کی مجرم قرار پاتی ہیں۔

فلسطینی عوام نے بارہا یہ دکھ محسوس کیا ہے کہ ان کی قیادت کو قطر، ترکی یا ایران سے تو کسی حد تک تعاون ملا، مگر عرب دنیا کے "مرکزی ستون" یعنی سعودی عرب اور اس کے اتحادیوں نے اکثر اسرائیل کے بیانیے کو تقویت دی، اور کبھی ایران کے خلاف اسرائیل کے ساتھ بیک چینل اتحاد کیے۔ ابراہیم معاہدے اور عرب اسرائیل تعلقات کی بحالی نے اس زخم کو اور گہرا کر دیا ہے۔ فلسطینیوں کو ایسا لگتا ہے کہ وہ اپنے ہی عرب بھائیوں کے ہاتھوں تنہائی، خیانت اور مظلومیت کے دوہرے بوجھ تلے دب چکے ہیں۔

لہٰذا فلسطینی اور سیاسی تشیع کی نگاہ میں اگر ایران اسرائیل سے برسرِ پیکار ہو تو سعودی عرب اور دیگر ریاستیں اس محاذ پر یا تو اسرائیل کی لاجسٹک مدد کریں گی یا ایران کے خلاف عالمی دباؤ میں اضافہ کریں گی، اور اس ساری صورت حال میں ان کے کردار کو تاریخ کے اُن چہروں میں شامل کیا جائے گا جنہوں نے وقتِ ضرورت پر "حسینؑ کو تنہا چھوڑا"، چاہے زبان سے وہ اسلام، امت یا قبلۂ اول کے نعرے لگاتے رہیں۔ ان کی حیثیت فقط منافق اور مصلحت پسند رہ

جاتی ہے، جو ظالم سے نہیں، مظلوم سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ خاموش رہے تاکہ ان کی تجارتی، سیاسی اور استعماری خوشنودی قائم رہے۔ اور یہی وہ زاویہ ہے جو انہیں تاریخ میں رسوائی کے مقام پر کھڑا کرتا ہے، چاہے وہ آج خود کو امّت کا مرکز، خلافت کا وارث یا اسلام کے محافظ کہنے پر مُصر ہوں۔

فلسطینی مزاحمتی فکر اور سیاسی تشیع کی نگاہ سے اگر ایران اور اسرائیل کی ممکنہ جنگ کے تناظر میں سعودی عرب، دیگر عرب ریاستوں اور ترکی کے کردار کو دیکھا جائے تو منظرنامہ ایک گہرے المیے، تاریخی خیانت اور نظریاتی انحراف سے لبریز نظر آتا ہے۔ فلسطینی عوام اور مزاحمتی تنظیمیں عشروں سے یہ تلخ حقیقت محسوس کر رہی ہیں کہ ان کے گرد موجود اکثر مسلم حکومتیں فقط نام کی مسلم ہیں مگر اپنے عملی اقدامات، خارجہ پالیسی اور سامراجی طاقتوں سے وابستگی میں اسرائیل کے قریب تر اور مظلوم فلسطینیوں سے دور تر ہو چکی ہیں۔

سعودی عرب کی قیادت نے طویل عرصے سے فلسطین کے مسئلے کو جذباتی تقریروں، علامتی چندہ مہمات اور رسمی مذمتی بیانات سے آگے بڑھنے نہیں دیا۔ اس کے برعکس، ابراہیم معاہدوں کے بعد پیدا ہونے والی عرب اسرائیل قربت، اور سعودی عرب کی امریکہ و اسرائیل نواز پالیسیوں نے فلسطینیوں

میں یہ یقین پیدا کر دیا ہے کہ سعودی عرب ان کے لیے نظریاتی پشت پناہ نہیں بلکہ ایک ایسا استعماری شریک ہے جو قبلۂ اول کی آزادی کے راستے میں سب سے بڑی سیاسی رکاوٹ بن چکا ہے۔ سعودی عرب کی انقلابی مزاحمت سے دوری، حزب اللہ اور حماس سے اختلاف، اور ایران کی کھلی مخالفت اس کی اس پوزیشن کو اور بھی واضح کرتی ہے۔ سیاسی تشیع کی تعبیر میں یہ ریاست اسلامی بدن میں استکباری روح کی نمائندہ ہے، جو یزید کی طرح ظاہراً قبلہ رکھتا ہے مگر دل سے ظلم کا محافظ اور مظلوم کا دشمن ہے۔

متحدہ عرب امارات، بحرین اور مصر جیسے ممالک کے اسرائیل سے کھلے تعلقات فلسطینیوں کے زخموں پر نمک چھڑکنے کے مترادف ہیں۔ ان ملکوں نے صرف اسرائیل کو تسلیم ہی نہیں کیا بلکہ اسرائیلی سرمایہ، ٹیکنالوجی، اور سیکورٹی اسٹیبلشمنٹ کے ساتھ ہاتھ ملا کر پورے خطے میں مزاحمت کو دہشتگردی اور ایران کو دشمن بنا کر پیش کیا۔ فلسطینی عوام اور ان کے رہنما اس رویے کو صرف سیاسی غداری نہیں بلکہ عقیدتی انحراف سمجھتے ہیں، کیونکہ یہ وہی حکومتیں ہیں جو اسرائیلی بمباری میں شہید ہونے والے بچوں کی لاشوں پر خاموش رہتی ہیں مگر ایران یا حزب اللہ کے ردعمل پر واویلا مچاتی ہیں۔

ترکی کا کردار زیادہ پیچیدہ اور دورُخا ہے۔ ایک طرف ترکی کی قیادت، خاص طور پر صدر رجب طیب اردوان، فلسطین کی سیاسی و مذہبی حمایت میں بیانات، عالمی فورمز پر مظلومیت کے حق میں آواز اور اسرائیلی مظالم کی مذمت کرتا رہا ہے۔ ترکی نے حماس کے کچھ نمائندوں کو سیاسی پناہ بھی دی اور فلسطینی کاز کے ساتھ عمومی ہمدردی ظاہر کی۔ مگر دوسری طرف ترکی نیٹو کا رکن ملک ہے، اسرائیل سے اس کے خفیہ عسکری، انٹیلیجنس اور تجارتی تعلقات موجود رہے ہیں، اور ایران کے مزاحمتی بلاک سے وہ نہ تو کھل کر جڑتا ہے نہ اس کی عسکری حمایت کرتا ہے۔ سیاسی تشیع کی نظر میں ترکی کا کردار جذباتی خطابات اور عملی تضادات کا مجموعہ ہے۔ وہ نہ مکمل مزاحمتی خیمے کا حصہ ہے اور نہ ہی کھلے عام اسرائیل نواز بلاک کا، بلکہ ایک ایسا "سٹریٹیجک توازن" قائم رکھے ہوئے ہے جس میں فلسطینی کاز صرف عوامی حمایت اور داخلی سیاست کے لیے استعمال ہوتی ہے، مگر جب حقیقی جہاد اور استقامت کی بات آتی ہے تو ترکی خاموشی یا پسپائی اختیار کرلیتا ہے۔

سیاسی تشیع کی فکر میں ایران واحد ریاست ہے جو اسرائیل کے خلاف عسکری، نظریاتی اور عملی محاذ پر مستقل کھڑی رہی ہے۔ اس نظریے میں، تمام وہ ریاستیں جو فلسطین کو ایک انسانی مسئلہ سمجھتی ہیں مگر اسرائیل کو ایک غاصب

استعماری منصوبے کے طور پر تسلیم نہیں کرتیں، وہ اس وقت ظالم کی صف میں شمار ہوتی ہیں۔ فلسطینیوں کی آنکھوں میں ترکی کا متذبذب کردار اور عرب حکومتوں کی خاموشی یا دشمنی، ان کے لیے فقط جغرافیائی بے بسی نہیں بلکہ امت مسلمہ کی اخلاقی اور روحانی موت کا ثبوت ہے۔

سیاسی تشیع امام حسینؑ کی تنہائی کو امت کی تاریخی روش قرار دیتی ہے، اور کربلا کے سانحے کو ہر دور میں دہراتی ایک حقیقت سمجھتی ہے۔ فلسطین، لبنان اور یمن میں جو مزاحمت کی جا رہی ہے، وہ اسی حسینیت کی علامت ہے۔ اور جو قوتیں ان مزاحمتوں کو ایران نوازی، شیعہ انتہاپسندی یا علاقائی مداخلت کہہ کر مسترد کرتی ہیں، سیاسی تشیع انہیں یزیدی بیانیہ قرار دیتی ہے، چاہے وہ سعودی، اماراتی، مصری یا ترک نام سے ہوں۔ ان سب کی خاموشی، مصالحت یا مفاہمت صرف ایک چیز ثابت کرتی ہے کہ ظلم سے بغاوت، خون سے مزاحمت اور ایمان سے استقامت فقط انقلابی اسلام کا وصف ہے، نہ کہ ان بادشاہتوں اور جمہوریتوں کا جو فلسطینی لاشوں پر تجارت، سفارت اور علاقائی اثرورسوخ کی بساط بچھائے بیٹھے ہیں۔

ایران اسرائیل جنگ کی صورت میں فلسطینی عوام کی امید صرف ان قوتوں پر ہو گی جو اپنی جان، عزت، معیشت اور سفارت سب کچھ خطرے میں ڈال کر مظلوم کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں۔ جو خالی تقریروں، کانفرنسوں اور یو این قرار دادوں سے آگے بڑھ کر اسرائیلی ریاست کو غیر قانونی اور استعماری وجود قرار دے کر اس کے خلاف میدان میں آتے ہیں۔ باقی سب قوتیں تاریخ کے کربلائی پیمانے پر جانچی جائیں گی، اور یا تو حر کی طرح نادم ہو کر راہِ حق اختیار کریں گی یا ابن سعد کی طرح "ریاستی مفاد" کے نام پر باطل کے سپاہی بن جائیں گی۔

دیسی لبرلزم وسیکیولرز کا موقف (1)

(ایران اسرائیل جنگ اور دیسی لبرلزم وسیکیولرز کا موقف)

اسرائیل کا وجود میرے لیے negotiable ہے اگر وہ ظلم و جبر چھوڑ دے اور دو ریاستی حل میں فلسطینیوں کو برابر زمین دے دے گو کہ وہ ہے پھر بھی کلونیل پروجیکٹ ہی لیکن پھر بھی اب وہ لوگ وہاں رہ رہے ہیں۔

ایران کی حرکتیں ہمیں یہاں پاکستان تک ایفیکٹ کر رہی ہیں۔ یہ جو فرقہ ورانہ فسادات ہیں۔ یہ ایران کی وجہ سے ہی ہیں۔ اگر ایران ختم ہوتا ہے تو ریاست شیعوں کو کاؤنٹر کرنے کے لیے بنائی ان جماعتوں کا خاتمہ کر دے گی۔

جواب:

تمہاری سوچ اس فریب پر مبنی ہے جو سامراجی ذہن نے تمہارے اندر سرایت کر دیا ہے۔ تم اسرائیل جیسے غاصب و قابض صہیونی وجود کو "قابلِ مذاکرات" کہہ کر اس کے ہزاروں قتل، قبضے، جبری ہجرت، نسل کشی اور مقدس مقامات

کی پامالی کو گویا جائز یا کم از کم قابلِ نظر انداز کہنے کی جسارت کرتے ہو، لیکن ایران جیسے ملک کے بارے میں تمہاری زبان میں نہ صرف بے رحمانہ سختی ہے بلکہ اس کے وجود کے خاتمے کی خواہش بھی موجود ہے۔ یہ اس لبرل فکری دیوالیہ پن کی واضح علامت ہے جو حق و باطل کے بجائے طاقت اور کمزوری کو معیار بناتا ہے، جہاں مظلوم اگر مسلم اور مزاحمتی ہو تو وہ خطرہ ہے، اور ظالم اگر مہذب و مغربی ہو تو وہ قابلِ فہم اور قابلِ قبول۔

تم کہتے ہو فرقہ وارانہ فساد کی جڑ ایران ہے، لیکن تم یہ بھول جاتے ہو کہ پاکستان میں فرقہ پرستی کی بنیاد کس نے رکھی۔ 1980 کے عشرے میں ضیاءالحق کے دور میں امریکی و سعودی سرپرستی میں جہاد کے نام پر جو شدت پسندی پروان چڑھی، وہی لشکر، وہی ذہن، وہی نصاب، وہی خطبے، اور وہی مدارس آج بھی شیعہ، صوفی، بریلوی اور حتیٰ کہ دیوبندیوں کی ایک بڑی اکثریت کے خلاف نفرت پھیلانے کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔ کیا ایران نے ان نصابوں کو تحریر کیا؟ کیا ایران نے لشکر جھنگوی، سپاہ صحابہ، اور طالبان کو ریاستی پالیسی کا حصہ بنایا؟ کیا ایران نے "کافر کافر" کے نعرے ایجاد کیے؟ اگر

شیعہ اپنے دفاع میں کبھی کسی ملیشیا یا سیاسی گروہ میں شریک ہوئے تو وہ اس منظم دہشتگردی کے ردعمل میں تھا، نہ کہ اس کی شروعات۔

تم جس "منافق ملائیت" پر تنقید کرتے ہو، وہ درست ہے۔ اگر کوئی بھی عالم یا دینی قیادت اپنے فرقے یا جماعت کو خدا اور دین پر ترجیح دے، اقتدار اور پیسہ اس کا نصب العین ہو جائے، اور وہ ظالم کو ظالم نہ کہے، تو وہ حقیقتاً دین کا خائن ہے۔ لیکن کیا تم نے خود اپنے اندر جھانکا؟ کیا وہ لبرل ازم جو آزادی اور انسان دوستی کے نعرے پر سامراجی طاقتوں کو معاف کر دیتا ہے، لیکن امت کے مزاحمتی ملکوں کو نیست و نابود دیکھنے کا خواہش مند ہے، وہ خود ایک لبرل منافق نہیں؟ کیا وہ نظام جو عورت کے جسم کو آزادی کا نشان تو سمجھتا ہے مگر فلسطینی بچوں کے جسموں پر بم برسانے والوں کو بین الاقوامی فورم پر "دفاع کا حق" دیتا ہے، وہ انسانی اقدار کا علمبردار ہے؟ تم مذہب کی بنیاد پر نفرت کی مذمت کرتے ہو، مگر خود فرقہ واریت کے خلاف لڑنے کے نام پر شیعہ مکتب فکر کے وجود کو ختم کرنے کی حمایت کرتے ہو، کیا یہ تمہاری بے نقاب تعصب کا ثبوت نہیں؟

اصل اسلام نہ ایران کا محتاج ہے نہ سعودی عرب کا۔ اصل اسلام وہ ہے جو مظلوم کے ساتھ کھڑا ہو، چاہے وہ فلسطینی ہو یا کشمیری، یمنی ہو یا بحرینی، شیعہ ہو یا سنی۔ اصل اسلام وہ ہے جو وحدت کی بات کرے، مگر منافقت کو بے نقاب کرے۔ فرقہ واریت کی جڑ سامراجی منصوبے ہیں، جنہوں نے کبھی سعودی عرب کو خمینی انقلاب سے ڈرا کر اپنے ایجنڈے بیچے، اور کبھی ایران کو عالمی تنہائی میں دھکیل کر اس کی بقا کے خوف میں اسے دفاعی عسکریت کی طرف مائل کیا۔ اگر انصاف چاہتے ہو تو تمہیں دونوں فریقوں کے جرائم اور جدوجہد دونوں کو ایک ہی کسوٹی پر پرکھنا ہو گا۔ مگر یہ تب ہو گا جب تمہاری فکری غلامی ختم ہو گی، اور تم سامراجی عدسہ اتار کر امت اور انسانیت کے لیے سوچنا سیکھو گے۔

دیسی لبرلزم و سیکیولرز کا موقف (2)

(اسلامی ایران اور سامراجی صہیونیت کی جنگ میں لبرلزم کا موقف)

جنگ پر تبصرہ: تاریخِ انسانی کے دوبد ترین نظریات یعنی سامراجیت اور ملائیت برسرِ پیکار ہیں۔ دونوں ریاستیں ہزاروں معصوم انسانوں کے قتل کی ذمہ دار ہیں۔ ہارتا جو بھی ہے۔ جیت انسانیت کی ہی ہو گی۔

تبصرے کا جواب:

یہ قول بظاہر انصاف اور انسانیت کا علمبردار لگتا ہے، مگر درحقیقت یہ دو مہلک مغالطوں کو جنم دیتا ہے: ایک یہ کہ مذہب کی نمائندگی کرنے والی قوتیں یعنی "ملائیت" اپنی فطرت میں ظالم، استبدادی یا انسان دشمن ہیں، اور دوسرا یہ کہ مذہب سے آزادی یا مذہب بیزاری ہی انسانی فلاح کی ضمانت ہے۔ ان دونوں مفروضوں کا علمی، تاریخی اور عقلی تجزیہ یہ واضح کرتا ہے کہ یہ نقطہ نظر سطحی، بے بنیاد اور مغرب زدہ شعور کی پیداوار ہے جو سامراجی بیانیے کو تقدس کے پردے میں چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔

ملائیت کا لفظ عموماً تحقیر کے لیے استعمال ہوتا ہے، مگر اگر ہم اس سے مراد وہ علماء، فقہاء اور دینی قیادت لیں جو دین کی بنیاد پر اجتماعی نظام کی تشکیل اور عدلِ اجتماعی کا خواب دیکھتے ہیں، تو یہ کہنا کہ وہ انسانیت کے دشمن ہیں، سخت ناانصافی ہے۔ انبیاء کی تحریکیں بھی تو "ملائیت" ہی تھیں جنھوں نے جابر بادشاہوں، سرمایہ داروں، ظالم سرداروں اور قابض طبقوں کے خلاف بغاوت کی۔ حضرت ابراہیمؑ نے نمرود سے، موسیٰؑ نے فرعون سے، اور نبی اکرم ﷺ نے ابو لہب، ابو جہل، اور قیصر و کسریٰ جیسے استبدادی نظاموں سے ٹکر لی۔ ان تمام انبیاء کی قیادت کوئی سامراجی قوت نہیں تھی، بلکہ الٰہی ہدایت کی بنیاد پر وہ قیادت پیدا ہوئی جس نے مظلوموں کو آواز دی، غلاموں کو آزادی دی، عورتوں کو عزت دی، اور عدالت و مساوات کو رائج کیا۔ یہ سب "ملائیت" ہی تھی، جسے بعد میں فقہ، اخلاق، فلسفہ اور عرفان کے عظیم نظاموں نے دوام دیا۔

تاریخ کا دامن ان روشن چہروں سے بھرا ہے جو اسی ملائیت کے نمائندے تھے: امام حسینؑ، امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام غزالی، امام خمینی، شہید باقر الصدر، سید قطب، اور بہت سے وہ علماء جنھوں نے مغربی سامراجیت کے

سامنے ڈٹ کر اسلام کو ایک زندہ نظام کے طور پر پیش کیا۔ انہوں نے اپنی جانیں دیں، جیلیں بھگتیں، مگر حق کی آواز دبنے نہ دی۔ سامراجیت نے ہمیشہ کوشش کی کہ ان علماء کو انتہاپسند، رجعت پسند اور اقتدار پرست کہہ کر بدنام کیا جائے تاکہ قوموں کو ان کے اصل نظریاتی رہنماؤں سے کاٹ دیا جائے۔

مذہب بیزاری کا دعویٰ عقل کی بنیاد پر کیا جاتا ہے، مگر عقل تو وہی ہے جو اپنی حدود پہچانتی ہے۔ اگر عقل، روح، اخلاق، حیات بعد از موت، مقصدِ زندگی، یا الٰہی عدل جیسے بنیادی سوالات کا جواب نہ دے سکے تو یہ عقل عاجز ہو جاتی ہے اور وحی کی رہنمائی مانگتی ہے۔ مذہب بیزاری نے یورپ کو بظاہر سائنسی ترقی دی، مگر اس کے نتیجے میں انسانیت کو دو عالمی جنگیں، ایٹمی ہتھیار، استعماری قتل عام، ماحولیات کی تباہی، خاندانی نظام کی بربادی، اور روحانی خلا ملا۔ ایسی عقل جو خدا کو نکال کر انسان کو معبود بنا دے، بالآخر انسان کو ہی برباد کر دیتی ہے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سامراجیت اور ملائیت دونوں برابر کے مجرم ہیں، وہ یا تو خود مغربی لبرل ازم کے غلام ہیں یا پھر تاریخی شعور سے عاری ہیں۔ سامراجی

قوتیں ہمیشہ حرص، قبضے، لالچ اور تسلط کے لیے جنگیں لڑتی ہیں جبکہ سچے اہلِ دین عدل، حریت، اصول اور انسانی کرامت کے لیے قربانیاں دیتے ہیں۔ اس وقت اگر دنیا میں کوئی سامراجیت سے ٹکر لے رہا ہے تو وہ نہ لبرل دانشور ہیں نہ سیکولر ریاستیں بلکہ وہی "ملائیت" ہے جو فلسطین، لبنان، شام، ایران، یمن، کشمیر، اور افغانستان جیسے مقامات پر مظلوموں کا سہارا بنی ہوئی ہے۔

لہٰذا اس قول کو ایک بیدار ضمیر مسلمان ایک رومانوی مغالطہ ہی سمجھتا ہے جو عقل و تاریخ دونوں کے خلاف ہے۔ اصل فتح تب ہو گی جب دینِ حق، عقلِ سلیم اور عدلِ الٰہی باہم یکجا ہو کر انسانیت کو ظلم، فقر، جہالت اور استبداد سے نجات دلائیں گے — اور یہی اصل اسلامی "ملائیت" کا مشن ہے، جسے مسخ کرنے والے دراصل سامراجی غلام ہیں، نہ کہ انسانیت کے خیر خواہ۔

جب ہمیں معلوم ہو جائے کہ یہ قول ایک مغربی لبرل شخص کا ہے، تو اس کی تہہ تک پہنچنا اور بھی ضروری ہو جاتا ہے، کیونکہ مغربی لبرل ازم اپنے مخصوص زاویہ نظر سے دنیا کو دیکھتا ہے اور اکثر مذہب، بالخصوص اسلام، اور اس کے نمائندوں کو استبداد، جبر اور پسماندگی کی علامت بنا کر پیش کرتا ہے۔ مغربی

لبرل ذہن سامراج کو صرف عسکری و اقتصادی غلبے کے تناظر میں دیکھتا ہے، مگر "ملائیت" کو فکری و تہذیبی خطرہ سمجھتا ہے، کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اگر کوئی طاقت اس کے ثقافتی تسلط اور ذہنی غلامی کے خلاف علمی و روحانی سطح پر مزاحمت کر سکتی ہے، تو وہ دین ہے۔ اسی لیے وہ مذہبی قیادت کو سامراج کے مساوی یا اس سے بھی بدتر دکھانے کی کوشش کرتا ہے۔

مغربی لبرل ازم کا دعویٰ یہ ہے کہ آزادی، ترقی، انسانی حقوق اور انصاف کا واحد ماخذ عقل، جمہوریت اور سائنسی سوچ ہے، اور دین ان تمام اصولوں کے خلاف ایک استبدادی نظام ہے۔ لیکن تاریخ خود گواہ ہے کہ مغربی "آزادی" نے غلامی، نوآبادیات، نسل پرستی، سرمایہ داری، ایٹمی بربادی، جنسی انارکی، خاندانی انتشار، اور جدید استعمار کو جنم دیا۔ جس لبرلزم نے انسان کو خدا سے آزاد کرنے کا نعرہ لگایا تھا، اس نے آخرکار انسان کو سرمایہ دارانہ نظام کا غلام بنا دیا۔ خود مغرب میں لاکھوں انسان اس سسٹم سے بیزار ہو کر روحانی خلا کا شکار ہیں۔ خودکشی، ڈپریشن، بے معنویت اور انارکی ان معاشروں کے اندرونی عذاب بن چکے ہیں۔ اگر مذہب بیزاری انسانیت کی جیت ہوتی تو آج یورپ اور امریکہ اتنے اندرونی بحرانوں کا شکار نہ ہوتے۔

اب دوسری طرف جو "ملائیت" مغربی لبرل شخص کی نظر میں استبداد ہے، وہ درحقیقت ایک نظریاتی مزاحمت ہے، وہ اللہ کی حاکمیت کو انسان کے ظلم پر ترجیح دینے والا راستہ ہے۔ امام خمینی، سید قطب، باقر الصدر، مودودی اور دیگر علماء نے مغربی سامراج اور اس کے مقامی ایجنٹوں کے خلاف جو فکری اور عملی جہاد کیا، وہ محض اقتدار کی جنگ نہ تھی بلکہ ایک تہذیبی جنگ تھی جس کا مقصد انسان کو اس کے رب سے جوڑنا تھا، نظامِ ظلم کو عدل میں بدلنا تھا، اور امت کو غفلت سے بیداری کی طرف لے جانا تھا۔

ایک مغربی لبرل شخص جب "ملائیت" اور "سامراجیت" کو برابر کھڑا کرتا ہے، تو وہ ایک فکری چال چلتا ہے تاکہ اسلام کی مزاحمتی روح کو مجرم ٹھہرایا جا سکے اور سامراجی مظالم کے خلاف اٹھنے والی آوازوں کو بھی متشدد یا متعصب کہہ کر خاموش کیا جا سکے۔ لیکن ایک حق پرست مسلمان اس موازنہ کو مسترد کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ سامراج قتل کرتا ہے تاکہ لوٹ سکے، اور ملائیت قربانی دیتی ہے تاکہ عدل قائم ہو۔ سامراج غاصب ہوتا ہے، ملائیت مجاہد۔ سامراج بندوق سے بات کرتا ہے، ملائیت دلیل اور روحانیت سے۔

لہٰذا ایک مغربی لبرل کی جانب سے ایسے قول کو انسانیت کا نعرہ سمجھنا اصل میں دین بیزاری اور تہذیبی عداوت کا حصہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ انسانیت کی نجات مذہب کی واپسی، خدا کی حاکمیت کے اقرار، اور اہل علم و عرفان کی قیادت کو ماننے میں ہے۔ یہ وہی "ملائیت" ہے جس نے کربلا کے میدان میں ظلم کے سب سے بڑے نظام کے سامنے سر جھکانے کے بجائے سر کٹوانا پسند کیا، اور جو آج بھی اسرائیل، امریکہ، سرمایہ داری، لبرل ازم اور استعماری غلامی کے خلاف سینہ سپر ہے۔

پس، انسانیت کی جیت اُس وقت ہو گی جب مغربی لبرلزم کی ریاکاری اور سامراج کی استبدادی حقیقت سے پردہ اٹھایا جائے، اور جب "ملائیت" کا اصل چہرہ — یعنی قربانی، عدل، تقویٰ، اور مزاحمت — امت کے سامنے صاف ظاہر ہو جائے گا۔

وہ ملائیت جو ظاہری عمامہ، ریش اور خطبوں کے پردے میں چھپی ہوئی ہو لیکن اندر سے ظلم کا سہولت کار، جابر کا ہم نوا، اور دین کو اقتدار کا زینہ بنائے، وہ دراصل سامراج سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ ایسی ملائیت جو عوام کو صبر،

قناعت اور خاموشی کا درس دے لیکن خود حکمرانوں کے دستر خوان پر بیٹھے، وہ دیانت کا جنازہ ہے۔ جو زبان سے قرآن پڑھے مگر عمل سے فرعون کے نظام کو تقویت دے، وہ نہ دین کا خادم ہے نہ امت کا خیر خواہ۔ ایسی منافق ملائیت لوگوں کی روحانی پیاس بجھانے کے بجائے دین سے نفرت پیدا کرتی ہے، کیونکہ وہ دین کو زنجیر بنا دیتی ہے، رہائی کا ذریعہ نہیں۔ ایسی ملائیت دراصل دین کا لبادہ اوڑھ کر باطل کی خدمت کرتی ہے، اور یہی وہ فتنہ ہے جس سے انبیاء نے سب سے زیادہ خبردار کیا۔

دنیا کی تاریخ اگر کسی ایک مسلسل کشمکش کی گواہ ہے، تو وہ حق اور باطل، عدل اور ظلم، روحانیت اور مادیت، اور سب سے بڑھ کر سامراج اور ملائیت کی جنگ ہے۔ سامراج ایک ایسا ظالمانہ نظام ہے جو طاقت، سرمایہ، عسکری قوت اور ثقافتی تسلط کے ذریعے کمزور اقوام کو غلام بناتا ہے، ان کی تہذیب، مذہب، وسائل، ثقافت اور خودداری کو روندتا ہے، اور اپنے مفادات کی تکمیل کے لیے ہر طرح کا فریب، قتل عام اور استحصال جائز سمجھتا ہے۔ سامراج نے کبھی انسان کو نجات دینے کی کوشش نہیں کی بلکہ ہمیشہ اپنے خدائی دعوے، نسلی برتری اور مادی مفادات کے لیے کروڑوں انسانوں کو برباد کیا۔ چاہے وہ

برطانوی استعمار ہو یا امریکی سامراج، صہیونی قابضین ہوں یا فرانسیسی و ڈچ نو آبادیاتی طاقتیں، سب نے انسانیت کو تقسیم، غلامی، فکری زوال اور روحانی خلا کے دہانے پر پہنچایا۔

اس سامراجی قوت کے مقابل ہمیشہ ایک روحانی اور نظریاتی مزاحمت رہی ہے، جسے ہم ملائیت یا دین کی قیادت کہتے ہیں۔ یہ وہ قیادت ہے جو نہ فوجی ہتھیاروں پر انحصار کرتی ہے، نہ سازشوں پر، بلکہ اس کی بنیاد اللہ کی حاکمیت، انسانی فطرت، عدل، شہادت، قربانی اور توحید پر ہوتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی قیادت میں قیصر و کسریٰ کے مقابل قیام ہو، امام حسینؑ کی یزیدیت کے خلاف کربلائی استقامت ہو، یا امام خمینیؒ کی قیادت میں استکباری قوتوں کے خلاف انقلاب، یہ سب اسی تسلسل کا حصہ ہیں۔

مغربی لبرل ازم کو بظاہر سامراج کے خلاف ایک متبادل سمجھا جاتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ سامراج کا نرم چہرہ ہے۔ سامراجی بندوقیں اب جمہوریت، انسانی حقوق اور آزادی کے نعروں میں لپٹ چکی ہیں۔ آج سامراج یونیورسٹیوں، میڈیا، NGOز، فلموں، نصاب اور فلسفوں کے ذریعے غلامی کو

آزادی بنا کر پیش کرتا ہے، اور انسان کو خالق سے کاٹ کر خواہشات کا غلام بناتا ہے۔ اس لبرل ازم نے فردیت، لامذہبیت اور شہوت پرستی کو ترقی کا معیار بنا دیا ہے، جس کا نتیجہ مغرب کی روحانی و خاندانی تباہی کی صورت میں ہمارے سامنے ہے، اور اب یہی زہر وہ باقی دنیا کو "ترقی" کے نام پر بیچ رہا ہے۔

اسی زہر کے خلاف ملائیت ایک فکری و روحانی تریاق ہے۔ دین کی سچی قیادت استکبار کے لیے اس لیے خطرناک ہے کیونکہ یہ صرف طاقت سے نہیں بلکہ نظریے سے ٹکراتی ہے۔ جب امام خمینیؒ نے "امریکہ شیطان بزرگ ہے" کہا، تو یہ محض ایک نعرہ نہیں، بلکہ ایک فکری و تہذیبی اعلانِ جنگ تھا۔ اسی لیے مغرب اور اس کے فکری غلام علماء حق کو بدنام کرتے ہیں، تاکہ عوام حقیقی بیداری کی طرف نہ جائیں۔ جو مزاحمت فلسطین، لبنان، یمن، شام، یا عراق میں ہو رہی ہے، وہ نہ جمہوریت کی خاطر ہے نہ مغربی حقوق کے منشور کے تحت، بلکہ شہادت، قرآن، دین اور امت کے جذبے پر قائم ہے۔ یہی وہ قیادت ہے جو مغرب کو چبھتی ہے۔

مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر عمامہ، ہر منبر، اور ہر ریش ملائیت نہیں ہوتی۔ وہ ملائیت جو دین کو اقتدار کا ذریعہ بنائے، جابر کا سہولت کار بن جائے، اور حکمرانوں کے دسترخوان سے فیض پائے، وہ سامراج سے زیادہ خطرناک ہے۔ ایسی منافق ملائیت نہ دین کی خادم ہے نہ امت کی خیر خواہ۔ یہ دین کو زنجیر بناتی ہے، رہائی کا وسیلہ نہیں۔ انبیاء نے ایسے ہی مذہب فروشوں سے سب سے زیادہ خبردار کیا۔

آج دنیا کو لبرل مغرب کی نہیں، بلکہ باخدا، باعمل، باہوش اور باضمیر قیادت کی ضرورت ہے۔ ایسی قیادت جو انسان کو اس کی اصل فطرت کی طرف لوٹا سکے، جو ظلم کو للکارے، اور دین کو نظامِ عدل کے طور پر نافذ کرے۔ یہی ملائیت کی اصل روح ہے اور یہی انسانیت کی نجات کا راستہ۔